التفسیر والتعبیر

مولانا عزیز زبیدی

سُورَۃُ بَقَرَہ

(قسط ۲۴)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور ہم نے آپ پر ابر کا سایہ کیا اور (نیز) آپ پر من و سلوٰی

وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا

اتارا کہ جو پاک روزی ہم نے تم کو دی ہے (شوق سے) کھائیں (تاہم

۱؎ الغمام (بادل ۔ سفید ابر) یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایک اور انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ:
(اے بنی اسرائیل) جب بیابان تیہ میں جھلسا دینے والی دھوپ کی زد میں آگئے تو ہم نے تم پر ابر کا سایہ کر دیا۔

۲؎ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (من اور سلوٰی) من اور سلوٰی کیا چیزیں تھیں؟ مختلف بیان کی گئی ہیں۔ اوس کی طرح ایک شے پتوں پر پڑتی، صبح حسبِ ضرورت بھی لے کر کھاتے، وہ ٹھنڈی اور میٹھی ہوتی جیسے ترنجبین اور شبنمی گوند۔ اسے من کہا گیا ہے، اور بٹیر کی طرح کے پرندے سائن کی جگہ مل جاتے، جن کو بھون کر وہ کھاتے، اسے سلوٰی کہا گیا ہے۔ علامہ راغب نے اس کے ایک معنی یہ بھی کیے ہیں کہ:۔

یہ دونوں دراصل ایک ہی چیز سے عبارت ہے۔ چونکہ محنت اور کلفت کے بغیر ان کو کھانے کو دیا، اللہ کا کرم اور احسان ہوا، اس لیے اس کو "من" کہا گیا ہے کہ یہ اس کا احسان ہے چونکہ وہ کھانے بنی اسرائیل کے لیے "وجہ تسلی" بھی تھے، اس کو "سلوٰی" بھی کہا گیا ہے۔ (مفردات)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ۔ کان المن ینزل علی الشجر فیاکلون منہ ما شاؤا و من طریق عکرمۃ: کان مثل الرُّب الغلیظ ..... وقال السدی: کان مثل الترنجبین (فتح الباری ص۱۱۶ ج۸)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ برف کی طرح پڑتی تھی، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھی۔

کان المن یسقط علیھم سقوط الثلج اشد بیاضا من اللبن واحلی من العسل (فتح الباری ج۸ ص۱۱۶)

(السلوی طائر یشبہ السمانی ومن طریق وھب بن منبہ قال ھو السمانی (ایضاً)

صحیح یہ ہے کہ من اور سلویٰ کھانے کی وہ چیزیں تھیں جو بلا کلفت اور محنت ان کو دستیاب ہوتی تھیں، اس میں آسمانی و ارضی شیریں اور نمکین قسم کی متعدد اور مختلف اشیاء ہو سکتی ہیں صحیح مسلم میں ہے کہ کھمبی بھی اس من سے ہے جو بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ پر نازل کی گئی تھی۔

عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الکمأۃ من المن الذی انزل اللہ عزوجل علی بنی اسرائیل (ج۲ ص۱۸۲ کتاب الاشربۃ)

وفی روایۃ: علی موسیٰ علیہ السلام (ایضاً)

واشار الخطابی الی انہ یحتمل ان یکون الذی علی بنی اسرائیل کان انواعا منھا مایسقط علی الشجر ومنھا ما یخرج من الارض فتکون الکمأۃ منہ وھذا ھو قول الثالث وبہ جزم الموفق عبد اللطیف البغدادی ومن تبعہ فقالوا ان المن الذی انزل علی بنی اسرائیل لیس ھو ما یسقط علی الشجر فقط بل کان انواعا من اللہ علیھم بھا من النبات الذی یوجد عفوا ومن الطیر التی تسقط علیھم بغیر اصطیاد ومن الطل الذی یسقط علی الشجر (فتح الباری ج۲۲ ص۲۰۲)

قال ابن کثیر: والظاھر واللہ اعلم انہ کل ما امتن اللہ بہ علیھم من طعام وشراب وغیر ذلک مما لیس لھم فیہ عمل ولا کد (ابن کثیر ص۹۵)

ہاں من سے مراد محض "امتنان اور احسان" کے معنی لینا محل نظر ہے، قال الحافظ:

وفی ھذہ الترجمۃ (ای باب المن شفاء للعین) اشارۃ الی ترجیح القول الصائر الی ان المراد بالمن فی حدیث الباب الصنف المخصوص من المأکول لا المصدر الذی بمعنی الامتنان (فتح الباری ج۲۲ ص۲۰۲)

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ: اصلی "من" تو وہی میٹھی شے تھی اور سلویٰ بھی وہی چھوٹا سا پرندہ لیکن بعد میں ہر ایسی چیز کو من وسلویٰ کہہ دیا جاتا ہے جو بلا کلفت اور محنت حاصل ہو۔

وکثیرون شبههااى انکماقہ) بالمن السلوى کان ینزل على بنى اسرائیل لانه کان تحصیل لهم بلا کلفة ولا علاج (شرح نووى ص ۱۸۲)

راقم الحروف کے شیخ الشیخ حضرت مولانا نذیر احمد دہلوی (ف ۔۔۔) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو لے مصر سے نکلے تو خدا نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ قوم عمالقہ سے لڑو گے تو ہم تم کو فتح دیں گے اور ملک شام میں تمہاری سلطنت قائم کر دیں گے ہر چند (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے سمجھایا، ان کی ہمت نہ پڑی، اس نافرمانی کی خدا نے ان کو سزا دی اور چالیس برس تک جنگلوں میں بھٹکتے پھرے، چالیس برس کی مدت، روز کا چلنا، بڑی مصیبتیں جھیلیں، اس پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے خدا نے بنی اسرائیل پر چند در چند مہربانیاں کیں، دھوپ سے بچاؤ کے لیے ابر سایہ کرتا، کھانے کے لیے من وسلویٰ ملتا، رات کو جو اوس پڑتی تو ترنجبین کی طرح کی کوئی چیز میٹھی جنگلی درختوں کے پتوں پر جم جاتی وہی من تھی اس کو کھرچ لاتے اور رفرنی کی جگہ کھاتے اور سلویٰ بٹیر کی قسم کا ایک جانور (پرندہ) تھا۔ رات کو جہاں بنی اسرائیل کا پڑاؤ پڑتا یہ جانور آپ سے آپ آس پاس جمع ہو جاتے یہ ان کو بھون کر کباب بناتے مگر حکم یہ تھا کہ کل کے لیے ذخیرہ نہ کرو۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا اور لگے سینت سینت کر رکھنے۔ آخر کار من وسلویٰ کا اترنا بند ہو گیا۔

سورت مائدہ میں اس کا تذکرہ آگیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ه قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ج فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ (مائدہ ع ۴)

بھائیو! (شام کا) مقدس ملک جو خدا نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے، اس میں داخل ہو جاؤ! اور (دشمن کے مقابلے میں) پیٹھ نہ پھیرنا (اگر ایسا کرو گے) تو تم الٹے گھاٹے میں رہو گے، وہ بولے کہ اے موسیٰ! اس ملک میں تو زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں، ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے ہی نہیں، ہاں (وہ لوگ) اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور (جا) داخل ہوں گے۔

دو بزرگوں (حضرت یوشع اور حضرت کالب بن یوقنا) نے ان کو خوف خدا دلایا اور خدا پر بھروسہ کرنے کی ترغیب دلائی مگر وہ یہی کہتے رہے کہ یہ لوگ نکل جائیں گے تو پھر ہم جائیں گے

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا

وہ الٹے ہی مرے) انھوں نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا پر وہ اپنا ہی کچھ کھوتے رہے۔ اور (وہ وقت بھی یاد

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

کرو) جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ (اریحا نامی) اس گاؤں میں جائیں اور اس میں جہاں چاہیں بافراغت

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ

کھائیں (پئیں) اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور منہ سے حِطَّةٌ کہتے جائیں ہم ان کی خطائیں

آپ اور آپ کا رب، دونوں ہی جا کر لڑیں، ہم تو یہاں سے ہلنے کے نہیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا کی: کہ الٰہی! اپنی ذات اور بھائی کے سوا میرا کسی پر زور نہیں چلتا (مائدہ ع۴)

اس پر اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا کہ:

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ (مائدہ ع۴)

فرمایا: اچھا تو وہ ملک چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہو گا (مصر کے) جنگل میں بھٹکتے بھٹکتے پھریں گے۔

ته كُلُوْا (کھاؤ! پیو!) کُلُوْا نے ان احتمالات کو دور کر دیا ہے، جو بعض بزرگوں نے "مَنّ" کے معنی "امتنان" کر کے پیدا کیے تھے۔ گو کسب اور محنت کی سر دردی کے بغیر بھی "امتنان" کی ایک شکل ہے تاہم یہ تنہا "امتنان" کی شکل نہیں، مع سامان امتنان کی بات ہے۔

ته طَيِّبٰتِ (پاک اور حلال چیزیں) ان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو آسمانی ہدایات کے مطابق میسر ہو اور مالک کی رضا کے تحت ہو۔

سوشلزم کی یہ دریافت کہ: انتفاع کا حق صرف انھیں ملنا چاہیے، جن کے بازوؤں کی محنت نے اس شے کو تخلیق کیا ہو، قرآن حمید کی اس آیت اور روح کے خلاف ہے۔ کیونکہ مالک برحق نے انھیں بلا مزد و محنت عطا کیا اور وافر عطا کیا۔ اور پوری قوم بنی اسرائیل ان کو اپنے کام میں لائی، پیغمبر کی موجودگی میں لائی، وحی الٰہی کا تانتا بندھا ہوا تھا، اس وقت لائی۔ اور رب نے ان کو ان کے لیے "طیبات" کہہ کر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ایسی چیز ان کے لیے حلال و طیب ہے۔ ایک شخص کے پاس مکان، زمین یا مشین وغیرہ ہے، وہ اپنی رضا سے کسی کو ٹھیکے پر دے کر اس کی آمدنی کھا پی سکتا ہے۔

ثم وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ کا مطلب یہ ہے کہ یہ مفت کی نعمت بھی ان کو راس نہ آئی اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے اپنی ان نعمتوں کا سلسلہ بھی بند کرنا پڑا۔

یظلمون (ظلم کرتے رہے، کھوتے رہے، نقصان کرتے رہے) ایک تو ان کی بے انصافی اور زیادتی یہ تھی کہ وہ من وسلویٰ جیسی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہے، شکر کے بجائے ناک بھوں چڑھاتے رہے کہ روز روز ایک ہی چیز — یہ کیا تک ہے؟ دوسرا یہ کہ: اب بھی خدا پر بھروسہ نہ کیا، من وسلویٰ کا وافر ذخیرہ بھی کرنے لگ گئے تھے، تیسرا یہ کہ یہ پہلی قوم ہے جس نے کھانے پینے کی تازہ چیزوں کو رکھ کر باسی کرنے کی راغ بیل ڈالی تھی، حضور کا ارشاد ہے۔

لولا بنوا سرائیل لم یخنز اللحم (بخاری۔ مسلم)

"اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے (تو) گوشت (باسی ہو کر) متعفن نہ ہوتا"

ہمارے نزدیک اگر انسان میں یہ کمزوری نہ ہوتی تو دنیا میں بہت کم بھوکے رہتے، کیونکہ نارمل اور عام حالات میں اگر وافر چیزوں کو دوسرے شام کے لیے ذخیرہ کرنے کا لوگ لالچ نہ کرتے اور کسی دوسرے ضرورتمند کو دے دیتے تو بھوک کی یہ نوبت بالکل نہ آتی مگر افسوس! بنی اسرائیل کے سیئات میں جہاں دوسری بعض برائیوں کی ایجاد کا حصہ ہے جیسے سود، مزدکیت اور سوشلزم وغیرہ وہاں ایک یہ بھی ہے۔ گویا کہ لوگوں کو پہلے بھوکا رکھنے کی داغ بیل بھی انھوں نے ڈالی۔ پھر اس بھوک کو بہانہ بنا کر مزدکیت اور کمیونزم کا فتنہ بھی انھوں نے ایجاد کیا۔

ہ هٰذِهِ الْقَرْيَةَ (یہ گاؤں، اس گاؤں) اس سے مراد بیت المقدس ہے یا شام کا کوئی مقدس مقام؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس سے بیت المقدس مراد ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ هذه القرية کے بجائے الارض المقدسہ آیا ہے، کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد شام کی سرزمین ہے، یعنی اس کے بعض شہر یا گاؤں مراد ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ واقعتاً مقصود بیت المقدس ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ اریحا جو بحر مردار کی شمالی جانب میں ۵ میل کے فاصلہ پر ہے، جسے حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد فتح کیا تھا، بیت المقدس کے سلسلہ کی کوئی اہم فوجی جگہ ہو۔ اس لیے اس کا بھی نام آگیا ہو۔ کچھ بزرگوں نے کچھ اور گاؤں اور قصبوں کے نام بھی لیے ہیں، ان سب کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب فوجی اہمیت کی کوئی جگہیں ہوں، یا یہ کہ اریحا وغیرہ بول کر مراد اس سے بیت المقدس ہو، لیکن حافظ ابن کثیر اس سے مطمئن نہیں ہیں، فرماتے ہیں: اصل مقصود بیت المقدس کو فتح کرنا تھا، باقی رہا اریحا؟ سو فرماتے ہیں

کہ اس سلسلہ میں وہ بیت المقدس کے راستے میں بھی نہیں پڑتا الا یہ کہ اریحا بول کر بیت المقدس مراد لیا جائے۔

وفی ھذا نظر لان اریحا لیست ھی المقصود بالفتح ولا کانت فی طریقھم الی بیت المقدس ..... اللھم ان یکون المراد باریحا ارض بیت المقدس کما قالہ السدی (تفسیر ابن کثیر ص۲۷/۲ سورۃ مائدۃ ع۴)

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصہ تمارد سرا ہو، مصر کی شہری زندگی میں جن چٹپٹے کھانوں اور شہری لطافتوں کا ان کو چسکا پڑ گیا تھا، اب ان کو ان کی یاد ستاتی رہتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی اس پیاس کی تسکین کے لیے ان سے کہا گیا ہو کہ دیکھیے! اس قصبے میں تمہیں داخلے کی اجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی شکرانے کے نفل پڑھیے اور استغفار کو نہ بھولیے، لیکن وہاں جا کر مذاق اور مخول کرنے لگ گئے۔ چونکہ سوشلسٹ کی دلچسپیاں پیٹ اور نان کے محور کے گرد گھومتی ہیں اور دین کا مذاق اڑانا ان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے۔ اس لیے وہاں جا کر حِطَّۃٌ (توبہ) کی جگہ حِنطَۃٌ (گندم کا ٹوپہ) بولنے لگ گئے! خدا اور اس کے رسول کے سلسلے میں تضحیک کا یہ انداز بہت ہی شرمناک ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کر کے ان کا خمار دور کیا۔

اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا۔ (دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں) اگر اس قریہ اور سورۂ مائدہ رکوع ۴ میں ادخلوا الارض المقدسۃ والا واقعہ ایک ہے تو اب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جب فاتحانہ شان سے بیت المقدس میں داخل ہوں تو نفل پڑھیں یا شکرانے کا سجدہ کریں اور رب کے حضور استغفار کیا کریں۔

سُجَّدًا اس کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ جب فاتحانہ شان سے داخل ہوں تو اترا کر نہ داخل ہوں، بلکہ رب کے غلام کی حیثیت سے سر جھکا کر اور عاجزانہ انداز میں داخل ہوں، جیسے فتح مکہ کے موقعہ پر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیفیت تھی، دوسرے یہ کہ شہر میں داخل ہو کر شکرانے کے نفل پڑھیں، جیسے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخلے کے بعد آٹھ رکعت نفل پڑھے تھے، بعد میں فاتح امیر جیش اور امام کے لیے یہ مسنون قرار دیا گیا کہ وہ شکرانے کے نفل پڑھا کریں چنانچہ جب ایوانِ کسریٰ میں حضرت سعد داخل ہوئے تو اس میں انھوں نے آٹھ رکعت نفل پڑھے۔

وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا

معاف کر دیں گے اور آپ میں سے جو مخلص لوگ ہیں، ان کو مزید بھی) دیں گے تو جو لوگ شریر (اور سرکش) تھے، دعائے

غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا

(استغفار) جو ان کو بتائی گئی تھی، اس کو بدل کر دوسری (بات) بولنے لگے تو ہم نے ان شریروں (اور

مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○

سرکشوں) پر ان کی نافرمانی کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل کیا

وبهذا كان عليه الصلوٰة والسلام يظهر عليها لخضوع جداً عند النصر كما روى انه كان يوم الفتح فتح مكة داخل اليها من الثنية العليا وانه مخاشع لربه ...... ثم لما دخل البلد اغتسل وصلى ثماني ركعات ..... فاستحبوا للامام والامير اذا فتح بلداً ان يصلي فيه ثماني ركعات عند اول دخوله كما فعل سعد بن ابي وقاص رضى الله تعالى عنه لما دخل ايوان كسرى صلى فيه ثماني ركعات (ابن كثير ص ۹۹ ج ۱)

آیات کے سیاق اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ تمام انبیاء کی یہ سنت کریمہ ہے کہ اسلامی فتوحات کے آخر میں بھنگڑا ناچ کے بجائے عبدیت کا پیکر بن کر رہیں۔ گردن فراز نہ ہوں، سر جھکا ہو، شکرانے کا سجدہ ادا کریں اور نفل پڑھیں۔ دین موسوی میں بھی یہ سنت تھی اور اب بھی۔

۵ قُولُوا حِطَّةٌ۔ (توبہ توبہ کہو) مقصد یہ ہے کہ فتح کے بعد بکواس نہ کریں نہ فلمی نوعیت کے یا تنکبرانہ گیت گائیں بلکہ استغفار کریں۔ ہم آپ کی خطائیں معاف کر دیں گے اور مزید کرم بھی کریں گے۔

۹ فَبَدَّلَ (تو اس نے بدل دیا) مقصد یہ ہے کہ انھوں نے ہماری ہدایات کی پابندی نہ کی اور ذلیل حرکتوں پر اتر آئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا۔

فقہ القرآن۔ ۱۔ سیاسی اور روحانی برتری بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

۲۔ قیامت میں انسان کے کام صرف اپنے اعمال آئیں گے۔ لا تجزی نفس عن نفس۔

۳۔ وہاں ایسا کوئی رسہ گیر نہ ہوگا جو اپنے جرائم پیشہ افراد کی سفارش کر سکے گا اور نہ ہی وہ

قبول کی جائے گی۔ ولا یقبل منہا شفاعة کیونکہ مجرموں کے ساتھ رسہ گیروں کا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ لیکن شفاعت میں صرف "خدا ترسی" والی بات ہو گی۔ بہر حال وہاں سفارش رسہ گیروں جیسی نہیں ہو گی۔

ہاں ان دیدہ وروں سے سفارش ممکن ہو گی جو اذنِ الٰہی سے ان افراد کی سفارش کریں گے جو گنہگار تو ہوں گے مگر منکرِ خدا نہیں ہوں گے۔ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ (بخاری) اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِه۔

کیونکہ اب بات خطا اور کوتاہی کی رہ جاتی ہے جو صرف بشری کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ خدا کے حضور ان کی سرکشی اور بغاوت کا ان پر الزام نہیں ہو گا۔ سفارش کنندہ اس امر کا پابند ہو گا کہ جائز سفارش کرے، وَقَالَ صَوَابًا (پ ۳۰ - عم) جائز کے یہی معنی ہیں کہ مجرم میں گند کے دھبے تو ہوں لیکن ان کا محرک "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کی ڈینگ نہ ہو بلکہ ہر خطا پر ان کو خوفِ خدا کے احساس کے جھٹکے بھی ان کو محسوس ہوتے ہوں۔

۴۔ وہاں رشوت کی قسم کی کوئی سبیل ممکن نہیں رہے گی، نہ ہی کوئی مال فدیہ کی کوئی بات ہو گی۔ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ۔

۵۔ وہاں ایسی کوئی شخصیت نہیں ہو گی جو خدا کے مقابلے میں خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور آپ کی کوئی مؤثر مدد کر پائے۔ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۔

۶۔ بچوں اور عورتوں کا قتلِ عام فراعنہ کی سنتِ سیئہ ہے اسلام نے جنگ میں بھی اس کی اجازت نہیں دی۔

۷۔ طاقتور حکمران افراد اور اقوام اگر غلط رو میں تو ان کا مستقبل شدید خطرہ میں ہوتا ہے۔ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ۔

۸۔ معصیت اور عدوان شرک اور کفر بھی توبہ اور رجوع الی اللہ سے معاف ہو سکتے ہیں۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ اس لیے ایسے افراد اور اقوام کو تبلیغ جاری رکھنی چاہیے، کیا پتہ کس وقت کسی کو ایمان اور رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہو جائے۔

۹۔ دنیا میں ان مادی آنکھوں سے "خدا" کا دیدار ممکن نہیں ہے (فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ) من زعم ان محمدا رأى ربه فقد اعظم على الله الفرية۔ (مسلم)

۱۰۔ خرقِ عادت کا سلسلہ روزِ اول سے جاری ہے اور انبیاء اور صلحاء سے حسبِ مراتب

سب ممکن اور برحق ہیں۔ (ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ)

۱۱۔ حلال اور طیب صرف وہ ہے جو حق کی بخشش یا اس کے قوانین کے مطابق حاصل ہو۔ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔

۱۲۔ فتح ونصرت، بیٹھے بٹھائے حاصل نہیں ہوتی، جان جوکھوں میں ڈالنا پڑتی ہے۔ لیکن مظفر و منصور ہونے کے بعد بھنگڑا ناچ نہیں، توبہ واستغفار اور نوافل کا التزام کرنا چاہیے۔ ادخلوا هذه القرية الاية۔

۱۳۔ انعام واکرام اور اعزاز جس طرح مل سکتا ہے، اسی طرح اگر ان کی شرم نہ رہے تو ضائع بھی ہو سکتا ہے۔ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا لیکن بے سبب یہ انقلاب نہیں آتا بلکہ یہ انقلاب خود ان کے اندر سے اٹھتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (پ ۱۳۔ رعدع)

اسرار احمد سہاروی

نفسی نفسی کا ایک عالم ہے

زندگی پُر اَلم بناتی ہے
ربِّ عالم تیری دہائی ہے

ایک سہارا تھا دل کا مبہم سا
وہ بھی اب رہنِ بے وفائی ہے

نفسی نفسی کا ایک عالم ہے
بے خودی سی ہر اک پہ چھائی ہے

دل سکون کو ترس گئے تو یہ
کیا قیامت جنوں نے ڈھائی ہے

عشق بدنام ہے ہوس کے لیے
حسن بے تابِ خود نمائی ہے

بے نیازی کا ذوق ہی نہ رہا
ہاتھ میں کاسۂ گدائی ہے

ہوس زر ہے دشمنِ تمکین
سادگی رہنِ بے نوائی ہے

ہر نفس سرکشی پہ مائل ہے
ہر نظر کاسۂ گدائی ہے

زندگی کا ہی کیا بھروسہ ہے
جاں بھی اپنی نہیں پرائی ہے

ترکِ ذوقِ عمل کی کیسی سزا
ہم نے فطرت سے آج پائی ہے

ترکِ ذوقِ یقین کر دینا
اپنے خالق سے بے وفائی ہے